عہدِ نبوی میں مدنی مسلم معیشت

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سنہ ۶۲۲ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں تین سماجی طبقے ہو گئے تھے۔ ان میں سے یہودیوں اور انصار کے دو طبقے قدیم زمانے سے وہاں آباد چلے آرہے تھے جب کہ مہاجرین کا طبقہ مدنی سماج میں ایک نئے عنصر کی حیثیت رکھتا تھا۔ کچھ مدت تک انصار بھی دو منفرد و ممتاز معاشرتی اکائیوں میں منقسم رہے اور اوس و خزرج دو الگ الگ سماجی طبقات سمجھے جاتے رہے لیکن رفتہ رفتہ اسلام کے سماجی اصولوں کے عملِ نفوذ و تنفیذ کے زیر اثر مدنی مسلمانوں میں سماجی امتیازات و اختلافات ختم ہو گئے اور ایک "امت مسلمہ واحدہ" کا تصور عملی پیکر اختیار کر گیا۔ چنانچہ عہد نبوی کے وسط میں مدینہ میں سماجی لحاظ سے صرف دو طبقے رہ گئے تھے: مسلم اور غیر مسلم۔ موخر الذکر طبقہ میں بنیادی اور کلیدی مقام یہودی قبائل کو حاصل تھا جن کی تعداد سمہودی کے بقول چوبیس[۲۴] سے زائد تھی۔[۱] مگر اقتصادی لحاظ سے مدینہ کی آبادی چار طبقات میں منقسم تھی۔ ایک طبقہ زراعت پیشہ لوگوں پر مشتمل تھا، دوسرا تجارت پیشہ تھا، تیسرا طبقہ دستکاروں اور کاریگروں کا تھا جب کہ چوتھا طبقہ مزدوری پیشہ لوگوں کا تھا۔ ان اقتصادی طبقات کی تشکیل و تعمیر میں مذہب یا نسل یا علاقائی تعلق نے بنیادی طور سے نہ کوئی حصہ لیا تھا اور نہ کوئی اقتصادی تفریق روا رکھی تھی۔ چنانچہ یہ بلا خوف و خطر کہا جا سکتا ہے کہ خواہ وہ مدینہ منورہ کے دو مذہبی طبقات ہوں یا تین سماجی اکائیاں اقتصادی لحاظ سے وہ ان چاروں طبقات میں منقسم کی جا سکتی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کسی سماجی اکائی یا طبقہ کو کسی سبب سے صرف ایک شعبۂ اقتصاد سے وابستہ کیا جائے لیکن ان میں دوسرے شعبوں کے وجود سے یکسر انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس مضمون میں ہمارا مطمحِ نظر عہد نبوی کی مدنی مسلم معیشت کا جائزہ لینا ہے لیکن چونکہ اس کا تعلق وسیع تر مدنی معیشت سے ہے اس لئے

مدینہ کے دوسرے سماجی اور مذہبی طبقات کی اقتصادی حالت کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ آسانی کی خاطر ہم اپنے اس اقتصادی جائزے کو مختلف سماجی طبقات کی تقسیم کے مطابق کریں گے تاکہ ہر گروہ کی معیشت کا بھی لگے ہاتھوں تجزیہ ہوتا رہے۔

ہمارے جدید مورخین نے عہد نبوی کی مدنی معیشت پر یہودیوں کے اقتصادی غلبہ کے نظریہ کو اس شد و مد کے ساتھ بیان کیا کہ تمام دوسرے طبقات کی ناداری، مفلسی اور شہر کے متمول ترین طبقہ پر ان کا کلی یا بڑی حد تک انحصار کا عقیدہ پھیل گیا جس سے اسلام کے صدر اول میں اس کی تعمیر و ترقی کے بارے میں بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں سے ایک بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہجرت سے قبل مدینہ کے دو عرب قبیلوں اوس و خزرج کی اقتصادی حالت بڑی دگرگوں تھی اور اس کا سبب یہ تھا کہ یہودی قبیلے ان دونوں کو آپس میں لڑاتے رہتے تھے۔ ان کو ہتھیار اور دوسرے ساز و سامان کے علاوہ نقد رقوم ادھار دیتے تھے جن پر بھاری سود وصول کرتے تھے اور اس طرح انصار کے دونوں قبیلوں کو انھوں نے اپنے اقتصادی چنگل میں پھنسا لیا تھا اور ان کو معاشی فرد بنا کے لئے اپنا محتاج بنا لیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ یہودی قبیلے اپنی مالی مہارت کے سبب زیادہ خوش حال تھے لیکن وہ مدنی معیشت پر نہ تو غالب تھے اور نہ ہی انصار کے لوگوں کو اپنا دست نگر بنائے ہوئے تھے۔ یہ حقیقت بڑی اہم ہے جو عموماً نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے کہ انصار کی باہمی برادرانہ جنگوں میں مدینہ کے یہودی بھی دو حریف گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ بنو قینقاع کا اہم اور متمول طبقہ اگر خزرج کے ایک خاندان کا حلیف تھا تو بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ اسی طرح ایک تیسرے یہودی قبیلہ بنو نضیر نے مختلف اوقات میں اوس یا خزرج کے ساتھ حلف اور دوستی کے معاہدے کیے تھے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ وہ اپنے اپنے حلیفوں کی طرف سے میدان جنگ میں نبرد آزما بھی رہے تھے۔ اس طرح یہودی قبیلے بھی اپنے ہم مذہبوں کے یا اتحادی تھے یا حریف، اور اگر ان جنگوں کی بدولت انصار کے دونوں قبیلوں کی معیشت تباہ یا دگرگوں ہوئی تھی تو اس کا کچھ نہ کچھ اثر یہودی معیشت پر بھی پڑا تھا۔ چنانچہ یہ حقیقت واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ کی قبل ہجرت خانہ جنگی میں شہر کے تمام طبقات کی معیشت متاثر ہوئی تھی، کسی ایک خاص گروہ اور طبقہ کی معاشی حالت نہیں بگڑی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اپنی مبینہ معاشی بدحالی سے تنگ

آکر انصار نے لوٹ مار کا طریقہ کبھی نہیں اپنایا تھا جیسا کہ مستشرقین نے ہجرت کے بعد کمزور مدنی معیشت کے بارے میں تاثر دیا ہے۔

جہاں تک یہودی قبائل کی معاشی حالت کا تعلق ہے تو مدینہ کے دوسرے طبقات کی بہ نسبت وہ کچھ بہتر تھی ان میں سے بیشتر قبیلوں کے بارے میں ہماری معلومات صفر ہیں۔ صرف تین اہم قبیلوں کے بارے میں کچھ اقتصادی شواہد ملتے ہیں۔ بنو قینقاع کا قبیلہ سب سے زیادہ طاقتور بھی تھا اور متمول بھی۔ وہ تاجر تھے اور زرگری کا کاروبار کرتے تھے[۲۸]۔ مونٹگمری واٹ کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالباً اسلحہ ساز بھی تھے۔ مدینہ میں ان کا ایک بڑا بازار تھا جو انھیں کے نام سے "سوق بنی قینقاع" کہلاتا تھا[۲۹]۔ مسلم مآخذ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف زرگری ہی کا بازار نہیں تھا بلکہ ایک بڑی تجارتی منڈی یا مرکز کی حیثیت رکھتا تھا جہاں دوسرے علاقوں بلکہ ملکوں کے تاجر بھی اپنا سامان تجارت لے کر آتے تھے۔ کچھ تو ان کی دولتمندی نے اور کچھ دفاعی اور فوجی تقاضوں نے ان کو قلعہ نما گڑھیوں (آطام) میں رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مآخذ ان کے بارے میں واضح اور حتمی طور سے کہتے ہیں کہ ان کی زمینیں، باغات اور کھیت نہیں تھے کیوں کہ وہ کاشتکار نہیں تھے[۳۰] لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ زرعی یا تجارتی جائدادوں سے قطعی محروم تھے۔ دولتمندی یا سرمایہ دارانہ معیشت کی خصوصیت ہر زمانے میں یہ رہی ہے کہ سرمایہ دار یا دولتمند اپنا سرمایہ جائدادوں کی خرید پر زیادہ سے زیادہ لگاتے ہیں اور ان میں سے بھی خاص کر پیداواری جائدادوں میں کیونکہ وہ ان کی دولت کو بڑھانے کا ایک اور مستقل ذریعہ بنتی ہیں یہ ممکن ہے کہ بنو قینقاع اپنے رجحان طبع کے سبب تجارتی جائدادوں کی طرف زیادہ مائل رہے ہوں لیکن ان کی زرعی جائدادوں کی ملکیت کے امکان کو یکسر خارج نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عبداللہ بن سلام بنو قینقاع کے ایک نو مسلم تھے مگر ان کے پاس کھجور کا ایک باغ تھا اور انھوں نے اسی باغ میں کام کرتے ہوئے رسول کریم کی مدینہ میں آمد کا ذکر سنا تھا[۳۱]۔ کچھ بعد کے زمانے میں انھوں نے جس طرح بنو نضیر کے غزوہ کے دوران بعض خاص کھجور کے درختوں کو کاٹنے کا مشورہ دیا تھا وہ ان کی زرعی معاملات میں سوجھ بوجھ کا پتہ دیتا ہے۔ اسی طرح اس حقیقت سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ مکہ مکرمہ کے جاہلی اور مسلم عرب قریشیوں نے اپنی تجارتی دولتمندی کے سبب طائف اور

اس کے حوالی و اطراف میں زرعی جائداد یں بنا رکھی تھیں جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے دیکھیں گے۔ بہر حال بنو قینقاع خاصے مالدار اور دولتمند تاجر تھے اور پیداواری جائدادوں کے خواہ وہ زرعی ہوں یا تجارتی۔ مالک تھے اور مدینہ کی معیشت میں ان کو ایک طرح کا امتیاز حاصل تھا۔

دوسرا اہم یہودی قبیلہ بنو نضیر کا تھا جس کے بارے میں مآخذ کا بیان ہے کہ وہ زراعت پیشہ تھے اور ان کے کھجوروں اور پھلوں کے باغات اور اناج و سبزیوں کے کھیت تھے[۸] یہی حال تیسرے اہم یہودی قبیلے بنو قریظہ کا تھا۔ وہ بھی باغات اور کھیتوں کے مالک تھے[۹] دونوں ہی دولتمند تھے اور اپنے اپنے علاقوں میں گڑھیوں یا قلعوں میں رہا کرتے تھے۔ زراعت کے علاوہ یہ دونوں یہودی قبیلے جانوروں کے ریوڑ بھی پالتے تھے کیونکہ وہ ایک طرح سے زرعی معیشت کا اور اس سے زیادہ بدوی زندگی کا لازمی جزو تھے۔ جہاں تک معمولی دستکاری اور چھوٹی موٹی صنعت و حرفت کا تعلق ہے تو یہ ظاہر ہے کہ یہودی قبیلوں میں خواہ وہ تاجر ہوں یا زراعت پیشہ کچھ نہ کچھ دستکاری موجود تھی[۱۰] اسی طرح ان کی دکانوں کارخانوں اور کھیتوں اور باغوں میں مزدوروں کے کام کرنے کے شواہد و ثبوت ملتے ہیں۔ یہ مزدور عرب قبیلوں کے بھی تھے اور خود یہودی قبیلوں کے نادار یا غلام لوگ بھی[۱۱]

سرمایہ دارانہ معیشت کا ایک لازمی تقاضا سودی کاروبار ہے اور اس میں یہ تینوں یہودی طبقات پوری طرح سے ملوث تھے۔ مشہور روایت ہے کہ بنو قینقاع نے سنہ ۲ھ / ۶۲۴ء میں اپنی شکست کے بعد مسلمانان مدینہ پر واجب قرض کی رقمیں وصول کی تھیں[۱۲] ایک سال بعد جب بنو نضیر کو جلاوطنی کا سامنا کرنا پڑا تھا تو انھوں نے بھی شہر رسول چھوڑنے سے پہلے اپنے تمام ادھار (دیون) وصول کر لئے تھے[۱۳] ان کے ایک سردار ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے اوس کے ایک سردار حضرت اسید بن حضیر کو ایک سال کے لئے اسی دینار (تقریباً ایک ہزار درہم) پچاس فیصد سالانہ شرح سود پر دئے تھے اور سال گزرنے پر اسے اصل مال کے علاوہ چالیس دینار سود کی رقم بھی ملتی لیکن مدت موعود سے قبل وصولیابی کے سبب اس کو صرف اصل مال پر قناعت کرنی پڑی تھی[۱۴] اسی طرح ایک اور یہودی مہاجن ابو الشحم تھا جو بنو ظفر کا حلیف تھا۔ اس کا قرض حضرت جابر بن عبد اللہ پر تھا اور اس نے ان کی کھجور کی پیداوار سے اپنا قرض مع سود وصول کیا تھا[۱۵] خیبر کے غزوہ کے زمانے میں اسی یہودی کا صرف پانچ درہم جو کی قیمت کا ادھار حضرت عبد اللہ بن

ابی حدرد اسلمی پر تھا جسے انھوں نے حکم نبوی پر اپنے کپڑے بیچ کر ادا کیا تھا۔[۱۶] خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی کا قرض رہا تھا جسے آپ نے حضرت بلال کے ذریعہ ادا کرایا تھا[۱۷] بہر حال ان تمام حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ سودی کاروبار کافی منافع بخش تجارت تھی اور اس نے یہودی طبقات کی دولتمندی میں کافی بڑا حصہ لیا تھا۔

یہودی معیشت کے اس پس منظر میں جب مدینہ کی مسلم معیشت کا جائزہ لیا جاتا ہے تو صورت حال اس سے بہت مختلف نظر آتی ہے جو اب تک معلوم و معروف حقیقت سمجھی جاتی ہے۔ مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ انصار کے دونوں قبیلے زراعت پیشہ تھے اور ان میں تجارت تقریباً مفقود تھی۔[۱۸] لیکن یہ بھی غالباً ان کی غالب زرعی معیشت کی بنیاد پر کہا جاتا ہے۔ ان کی زراعت اور زرعی جائدادوں کا خاصا ذکر ملتا ہے جب کہ ان کی تجارت میں مشغولیت کے قرائن کم ملتے ہیں[۱۹] واقدی نے انصار مدینہ کی زرعی جائدادوں خاص کر غلہ کے کھیتوں کا ذکر تفصیل کے ساتھ جنگ احد کے ضمن میں کیا ہے۔ مدینہ کے زرخیز علاقے جو لاوا کی مٹی سے بنے تھے اور جو "عرض" کے نام سے مشہور تھے ان میں انصار مدینہ خاص کر اوس کے متعدد بطون جیسے بنو سلمہ، بنو حارثہ، بنو ظفر اور عبد الاشہل وغیرہ کے بڑے بڑے کھیت تھے جن میں کافی مقدار میں غلہ پیدا ہوتا تھا۔[۲۰] حضرات سعد بن عبادہ خزرجی اور اسید بن حضیر اوسی کے کھیتوں کی آبپاشی بیس اونٹوں کے ذریعہ کی جاتی تھی[۲۱] جو روایات کے مطابق سب سے بڑے کھیتوں کی نشانی تھی۔ گویا کہ یہ بڑے زرعی فارم تھے جو زرعی معیشت کی بنیاد تھے۔ بہر حال ان کھیتوں کی پیداوار مدینہ کے لوگوں کے لئے کافی ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا تھا تو ان کے مالکوں کو اپنی پیداوار کی تباہی کے سبب بھکمری کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا اور سچ مچ قریشی لشکر نے ان کی کھڑی فصلوں کو برباد کر دیا تھا۔ غالباً یہی اقتصادی سبب تھا جس نے بعض پرجوش صحابہ کرام کو مدینہ کے باہر نکل کر لڑنے کی پالیسی وضع کرنے پر اکسایا تھا۔ وہ دراصل قریشی لشکر کو مدینہ سے باہر اور اپنی فصلوں سے دور رکھنا چاہتے تھے تاکہ جنگ کے نتیجہ میں ان کی زرعی معیشت کو زیادہ نقصان نہ پہونچے۔

واقدی نے غزوہ مریسیع کے ضمن میں مزید بیان کیا ہے کہ مسلمانان مدینہ کے کافی کھیت الحلائق نامی وادی میں تھے۔[۲۲] مشہور روایت ہے کہ خندق کے غزوہ سے قبل مسلمانوں نے مدینہ

کے جوار میں واقع اپنے سارے کھیتوں کی فصل کاٹ لی تھی[۲۳] اور اسی موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے اتحاد کو توڑنے کی خاطر بنو غطفان کو اس شرط پر کہ وہ میدان جنگ سے ہٹ جائیں مدینہ کی کل پیداوار کے ⅓ حصہ کی پیشکش کی تھی مگر کچھ تو ان کے لالچ کے سبب کہ وہ اپنی پسپائی کی قیمت ½ مانگتے تھے اور کچھ مدنی مسلمانوں کی مخالفت کے سبب یہ پیشکش واپس لے لی گئی تھی[۲۴]۔ بلاذری نے ایک انصاری کے کھیت کا ذکر کیا ہے جن کو ابوسفیان نے ان کے مزدور (اجیر) سمیت غزوہ سویق کے دوران قتل کر دیا تھا اور ان کے کھیت کو آگ لگادی تھی جس سے فصل کا ایک حصہ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔[۲۵]

کھیتوں کے علاوہ اوس و خزرج کی غالب اکثریت کے کھجوروں کے باغات مدینہ اور اس کے اطراف کے نخلستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ مآخذ کا عام بیان ہے کہ اوس و خزرج کے کھجوروں اور دوسرے پھلوں کے باغات تھے جن کے نیچے یا درختوں کی درمیانی جگہ میں کھیتی باڑی بھی ہوتی تھی۔[۲۶] ان عام بیانات کے علاوہ یہ حقیقت بھی مد نظر رکھنی چاہئے کہ بنو نضیر کے کھیتوں اور باغات کی جب تقسیم ہوئی تھی تو انصار کے صرف دو ممتاز افراد حضرات ابودجانہ اور سہل بن حنیف کو اس مال غنیمت یا فے سے حصہ ملا تھا کہ وہ غریب ونادار تھے اور اپنے باغات نہیں رکھتے تھے[۲۷]۔ بصورت بالواسطہ طور سے ہی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام بطون انصار کے سر برآوردہ لوگ چھوٹے بڑے باغات کے مالک تھے۔ قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ مدینہ منورہ کے دولتمند ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے متعدد باغات اور زرعی جائدادیں تھیں۔ ان کے علاوہ وہ ایک اطم یا قلعہ نما گڑھی کے مالک بھی تھے۔ واقدی کی روایت کے مطابق حضرت سعد بن عبادہ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت قیس کی فیاضی سے خوش ہو کر ان کو چار باغ (حوائط) دیئے تھے جن میں سے سب سے کم پیداوار ایک باغ کی پچاس وسق تھی انھوں نے ایک باغ (حائط) حضرت حسان بن ثابت کو ہدیہ کیا تھا جس کی پیداوار کو "مال کثیر" کہا گیا ہے اور اپنی والدہ کی یاد میں ایک باغ صدقہ کیا تھا۔[۲۸] ان کے ہم سر اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ بھی متمول لوگوں میں سے تھے اور کافی زرعی جائدادوں کے مالک تھے[۲۹] حضرت سعد بن ربیع کے بارے میں مآخذ کا بیان ہے کہ وہ مدینہ کے مالدار ترین شخص تھے اور ان کے پاس کافی تعداد میں باغات

اور کھیت تھے[۳۰]۔ حضرت ابوایوب انصاری کے پاس زرعی جائدادوں کے علاوہ ایک دو منزلہ پختہ مکان تھا جو بذات خود تمول کی نشانی اور سرمایہ کاری کی ایک علامت تھی جس کو ہم موجودہ اقتصادی اصطلاح میں (Capital formation) کہہ سکتے ہیں۔ مآخذ میں حضرت ابولبابہ لبشیر بن عبدالمنذر کے مکانات اور "اموال" (زرعی، تجارتی جائدادوں) کا ذکر ملتا ہے[۳۱]۔ اسی طرح حضرات جابر بن عبداللہ، ابن الدحداحۃ، محمد بن مسلمہ اور ان کے بھائی محمود بن مسلمہ، قیس بن سعد بن عبادہ، ابوقتادہ معاذ بن جبل، براء بن معرور اور ان کے فرزند لبشر، سعد بن زرارہ، کلثوم بن ہدم، سعد بن ربیع کے برادران گرامی، حارثہ بن نعمان کعب بن مالک، ہلال بن مرہ اور متعدد دوسرے انصاری صحابہ کے "اموال" زرعی جائدادوں اور باغات وغیرہ کا ذکر جا بجا ملتا ہے[۳۲]۔ ان کے علاوہ متعدد انصاری صحابہ کے کنوؤں کا ذکر ملتا ہے جو زراعت کے لئے ذرائع آبپاشی ہونے کے علاوہ بجائے خود دولت و تمول کی نشانی تھے۔ ان میں حضرات مالک بن نضر، ابوالہیثم بن التیہان، عمر بن بزریغ، سعد بن خیثمہ کے ذاتی و نجی کنوؤں کے علاوہ بنو ساعدہ اور انصار کے ایک قبیلہ بنو امیہ کے اجتماعی کنوؤں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ ان کے نام تھے بئر مالک بن نضر، بئر حاسم بئر رامہ، بئر غرس، بئر لضاعہ اور بئر لبیرہ[۳۴]۔

مہاجرین کے بارے میں ہم اپنے ایک مضمون میں بیان کر چکے ہیں کہ وہ سب کے سب خالی ہاتھ مدینہ نہیں آئے تھے بلکہ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو اپنے ساتھ اپنی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد اور نقد دولت لے کر مدینہ پہونچے تھے اور کچھ لوگ اپنی دولت کا کچھ حصہ لے کر آئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی تجارتی مہارت اور فطری ذوق تجارت لے کر پہونچے تھے ان میں سے بہت سے لوگ دستکار و صنعت کار تھے اور انھوں نے اپنی فنی مہارت سے مدنی معیشت کو مالدار بنایا تھا[۳۵]۔ مدینہ پہونچ کر اکثر مہاجرین مکہ اپنے آبائی پیشوں اور تاجرانہ کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق نے مدینہ کے اطراف میں واقع سنح نامی مقام پر کپڑے سازی کا چھوٹا موٹا کارخانہ لگا لیا تھا جہاں وہ غالباً دوسرے اجیروں اور مزدوروں کی مدد سے کپڑا تیار کرتے تھے اور پھر اس کو خود لے جا کر بازار میں فروخت کیا کرتے تھے[۳۶]۔ حضرت عمر فاروق جو بوقت ہجرت قریش کے مالدار ترین اشخاص میں سے تھے تجارت کرنے

لگے تھے اور کچھ مدت کے بعد ہی وہ مقامی تاجر سے ابھر کر بین الاقوامی تاجر بن گئے تھے اور ان کی تجارت کی حدود ایران اور شام تک وسیع ہو گئی تھیں[۳۷] حضرت عثمان بن عفانؓ شروع میں بنو قینقاع کے بازار میں کھجور وغیرہ کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ بعد میں وہ غلہ، غلام اور کپڑوں اور کھالوں وغیرہ کی تجارت کرنے لگے تھے اور رفتہ رفتہ مدینہ کے مسلمانوں میں دولتمند ترین لوگوں میں ان کا شمار ہونے لگا تھا۔[۳۸] حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اپنی وہبی تجارتی مہارت اور کاروباری سوجھ بوجھ کے سبب مٹی میں ہاتھ ڈال دیئے تو وہ سونا بن جاتی تھی۔ انھوں نے مکہ سے لائی ہوئی اپنی دولت تجارت میں لگا دی۔ ان کی تجارت کا آغاز بنو قینقاع کے بازار میں گھی، پنیر، آٹے اور کھجور وغیرہ کی معمولی دوکانداری یا خوانچہ فروشی سے ہوا اور رفتہ رفتہ انھوں نے مقامی تجارت میں اپنی جگہ بنا لی۔ پھر غیر ملکی تجارت میں حصہ لینے لگے اور کپڑے، غلے اور غلاموں وغیرہ کی تجارت کی بدولت دولتمند ترین آدمی بن گئے۔ تجارت میں ان کا جو مال لگا تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جس دن مدینہ میں ان کا تجارتی قافلہ آتا شور مچ جاتا تھا اور ایک ایک بار میں یہ قافلہ پانچ پانچ سو اونٹوں پر مشتمل ہوتا تھا۔[۳۹] حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمی ہجرت سے قبل شامی تجارت میں امتیاز حاصل کر چکے تھے اور بعد ہجرت بھی انھوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا تھا۔[۴۰] حضرت زبیر بن عوام اسدی بھی شامی تجارت کے ذریعہ دولتمند بنے تھے۔[۴۱] حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ہجرت کے قبل غلہ کے بڑے تاجر رہ چکے تھے اور مدینہ کے قیام کے زمانے میں انھوں نے اپنی تجارت کو اور بھی فروغ دیا تھا۔[۴۲] حضرت سعد بن ابی وقاص نہ صرف تاجر تھے بلکہ عمدہ تیر ساز اور اسلحہ ساز بھی تھے اور اپنی اسی تجارتی پیداوار کے سبب اتنے مالدار ہو گئے تھے۔ مدینہ میں جائداد بالکل شروع زمانے میں بنا لی تھی اور فتح مکہ تک مدینہ کے مسلمانوں میں متمول ترین تاجروں میں شمار ہونے لگے تھے۔[۴۳] ان کے ایک بھائی حضرت عتبہ بن ابی وقاص ہجرت سے قبل مدینہ آ بسے تھے اور صاحب جائداد بن چکے تھے۔[۴۴] حضرت مقداد بن عمرو خزاعی ایک اور بڑے مہاجر تاجر تھے۔[۴۵] حضرت عبداللہ بن جحش اور بنو غنم بن دودان کے دوسرے افراد بھی تاجر تھے۔ حضرت عبداللہ کی جب شہادت غزوہ احد میں ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ترکہ سے ایک باغ / زرعی جائداد (مال) خیبر میں ان کے فرزند کے لئے خرید دی تھی۔[۴۶] حضرت عبداللہ بن مسعود عہد نبوی میں کافی مالدار شخص بن

چکے تھے اور قیاس یہ ہے کہ وہ تجارت کے ذریعہ ہی بنے تھے۔[46] حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی اسی زمانے میں اپنی کم عمری کے باوجود تجارت شروع کر دی تھی اور عالیہ میں زمین خرید لی تھی۔[47] جب خالد بن ولید مخزومی، عمرو بن عاص سہمی اور عثمان بن طلحہ عبدری نے ۸ھ/۶۲۹ء[48] میں ہجرت کی تھی تو وہ اپنی دولت ساتھ لانے کے علاوہ مدنی تجارت میں بھی شریک ہوئے تھے اور اس کے علاوہ صلح حدیبیہ کے سبب اپنی آبائی جائدادوں پر جو مکہ اور طائف وغیرہ میں تھیں قابض رہے تھے۔[49] یہی حال حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کا تھا۔ وہ مدینہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد غلہ کپڑے وغیرہ کی تجارت میں حصہ لینے کے علاوہ مکہ اور طائف میں اپنی آبائی جائدادوں کی پیداوار سے بھی متمتع ہوتے رہے تھے۔[50] بنو سلیم کے تمام نہ سہی مگر اکثر مہاجرین مدینہ اپنے علاقہ میں واقع چاندی سونے کی کانوں کے مالک تھے اور خام سونے چاندی کی تجارت کیا کرتے تھے اور ان سے حاصل شدہ دولت مدنی معیشت کی بہتری میں اپنا حصہ ادا کرتی تھی۔ چنانچہ دو مہاجر سلمی صحابی حضرات حجاج بن علاط اور ابو حصن کے بارے میں وضاحت سے ذکر آتا ہے کہ وہ اپنا سارا مال اور تجارت کا نفع مدینہ لایا کرتے تھے۔[51]

عربوں میں خاص کر مکی / قریشی تاجروں کے بارے میں یہ حقیقت اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ وہ تجارتی قافلے بنا کر مختلف علاقوں سے کاروبار کیا کرتے تھے۔ یہ مقامی تجارت کی بھی روایت تھی اور بین الاقوامی یا غیر ملکی تجارت کی بھی۔ چنانچہ مکی تجارتی قافلوں کے طائف، یمامہ اور یمن وغیرہ تک آنے جانے کی شہادتیں اگر ایک طرف ملتی ہیں تو دوسری طرف ان کے تجارتی قافلوں کو ہم شام، عراق، اردن، غزہ، فلسطین، حبشہ اور ایران اور ان سے پرے جنوب میں ہندوستان، سیلون وغیرہ تک اور شمال میں بازنطینی سلطنت اور اس کے ذریعہ یورپ تک جاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ شام سے مکی تجارت دراصل ان کی اقتصادی زندگی کی ریڑھ کی ہڈی تھی جو ہجرت نبوی کے اور غزوہ بدر تک جاری رہی اور بدر، صلح حدیبیہ کے دوران چار برس کے عرصے کے اختلال کے بعد پھر حسب دستور سابق جاری ہو گئی تھی۔[52] جہاں تک مدینہ منورہ کے مسلمانوں کے اجتماعی تجارتی قافلوں کا تعلق ہے تو عام خیال یہ ہے کہ ان کی عام آمد و رفت بند ہو گئی تھی اور صرف اکا دکا تجارتی قافلہ بھیجا گیا تھا جو ناکام رہا کیونکہ اس خیال کے حاملین کے مطابق مسلمانوں کے ہاتھ اقتصادی لحاظ سے زیادہ منافع بخش کاروبار یعنی زریعہ مال غنیمت ہاتھ لگ گیا تھا۔[53]

اس خیال کی غلطی کہیں اور ثابت کی جاچکی ہے[۵۵] مآخذ میں مدنی تجارتی قافلوں کا شام وغیرہ جانا بہت کم مذکور رہا ہے لیکن یہ عدم ذکر واقعہ کے نہ ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ مالدار قریشی مہاجرین ہمیشہ اجتماعی قافلے بھیجا کرتے تھے کیونکہ اس زمانے کے حالات ایسے نہ تھے کہ چھوٹے موٹے کاروانِ تجارت صحیح سلامت اپنی منزلوں پر پہونچ جاتے یا بسلامت مدینہ منورہ واپس آجایا کرتے۔ واقدی، محمد بن حبیب بغدادی، احمد بن حنبل اور ازرقی کا بیان ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کے علاوہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں مختلف اوقات میں متعدد بازار ایک مخصوص مدت کے لئے لگا کرتے تھے اور یہ سلسلہ ٹوٹنے نہیں پاتا تھا۔ بغدادی کے بقول ربیع الاول کے چاند کے ساتھ دومۃ الجندل کا بازار پندرہ دن کے لئے لگتا تھا۔ اور اکثر و بیشتر اس کا سلسلہ اس ماہ کے آخر تک جاری رہتا تھا۔ اس کے بعد مشرقی علاقے میں ہجر میں المشقر کا بازار اگلے ماہ لگتا تھا۔ اس کے بعد بالترتیب صُحار کا بازار عمان میں، ربا کا بازار وسط عرب میں، الشحر کا بازار مہرہ میں، الرابیہ کا بازار حضرموت میں، عکاظ کا بازار مکہ کے نواح میں اور ذوالمجاز کا بازار عکاظ کے پڑوس میں، نطاۃ کا بازار خیبر کے علاقے میں، حجر کا بازار یمامہ اور ذوالمجنہ کا بازار وسط عرب میں لگا کرتے تھے۔ گویا سال کے بارہ مہینے کسی نہ کسی علاقے میں بازار گرم رہتا تھا۔ یہ بازار مقامی اور بین الاقوامی دونوں قسم کی تجارت کی منڈیاں تھیں اور یہاں جزیرہ نمائے عرب کے مختلف خطوں کے عربوں کے علاوہ پڑوسی ملکوں کے تاجر بھی آیا کرتے تھے۔ ازرقی کا واضح بیان ہے کہ اسلام میں بھی یہ بازار برابر جاری رہے اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ مدینہ کے مسلمان تاجر بھی ان میں شریک ہوا کرتے تھے[۵۶] اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ۵ھ/۶۲۶ء میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دومۃ الجندل پر جو فوج کشی کی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ ان رہزنوں کی سرکوبی کی جائے جو عربوں کے تجارتی قافلوں کو عام طور سے اور مسلمانوں کے قافلوں کو خاص طور سے لوٹا کرتے تھے اور جن کی وجہ سے دومۃ الجندل کا بازار ختم ہونے کے قریب تھا۔ آپ کے اس اقدام سے نہ صرف ڈاکوؤں اور لٹیروں کی سرکوبی ہوگئی تھی بلکہ مسلمانانِ مدینہ کی تجارت کا راستہ بھی محفوظ ہوگیا تھا[۵۷] احمد بن حنبل نے مدینہ کے اطراف میں لگنے والے بازاروں میں مسلمانوں کی تجارت کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ حج کے زمانے میں مکہ، منیٰ وغیرہ کے بازاروں میں بھی مسلمانانِ مدینہ کی شرکت کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ بدر اور صلح حدیبیہ کے

دوران جب مدینہ اور مکہ کے درمیان جنگ برپا ہی تھی مسلمانانِ مدینہ ان بازاروں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے لیکن اس سے پہلے اور بعد میں ان کی ان بازاروں میں شرکت قطعی ممکن بلکہ لازمی تھی۔

مدنی مسلمان شام اور اس کے پڑوسی یا ماتحت علاقوں سے اپنی تجارت کا سلسلہ منقطع نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ متعدد صحابہ کرام کے ایسے تجارتی کاروانوں کا ذکر ملتا ہے جو شمالی علاقوں خاص کر شام بھیجے گئے تھے۔ مآخذ میں خبر واحد کے طور پر ہی یہ ذکر آتا ہے کہ ۶ھ / ۶۲۸ء میں حضرت زید بن حارثہ کلبی مسلم تاجران مدینہ کا ایک عظیم تجارتی کارواں لے کر شام روانہ ہوئے تھے مگر وہ وادی القریٰ کے علاقے میں بنو فزارہ کے ڈاکوؤں کے ہاتھوں لوٹا گیا تھا۔[۵۷] اس سے بعض بلکہ اکثر مورخین نے یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ یہ واحد مسلم اجتماعی تجارتی قافلہ تھا جو حیات نبویؐ میں بھیجا گیا تھا۔[۵۸] حالانکہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مدینہ کے تاجرانِ قریش وانصار اپنے قافلے برابر شام اور دوسرے شمالی علاقوں میں بھیجا کرتے تھے اور حضرت زید کی زیر قیادت جانے والا کارواں من جملہ ان میں سے ایک تھا۔ مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار گھوڑوں اور اسلحوں کی خرید کے لئے اور غلاموں کی فروخت کے لئے شام، بصریٰ، نجد اور یمن وغیرہ کے بازاروں میں تجارتی قافلے بھیجے تھے۔[۵۹]

عرب کے تاجر قبائل خصوصاً قریش مکہ اور ثقیف طائف میں یہ رواج تھا کہ اپنی فوجی مہموں میں بھی سامانِ تجارت ساتھ لے لیا کرتے تھے کہ جنگ سے قبل فریقین تجارتی لین دین کریں گے یا مقامی بازاروں میں وہ ان کی خرید و فروخت کریں گے چنانچہ مکہ کے قریشی تاجر اسی ارادے سے اپنا بہت سا تجارتی سامان جس میں چاندی، کھالیں وغیرہ شامل تھیں غزوہ بدر کے موقع پر ساتھ لے کر آئے تھے۔ جو ان کی شکست کی صورت میں مسلمان فاتحوں کے ہاتھ لگا تھا۔[۶۰] مدینہ کے تاجروں نے اس تاجرانہ روایت کو خوب محفوظ رکھا تھا اور وہ اپنی تمام مہموں میں سامانِ تجارت ساتھ لے جاتے تھے اور موقعہ ملتے ہی خرید و فروخت کرتے اور نفع کماتے تھے ۴ھ / ۶۲۶ء میں غزوہ بدر الموعد کے موقعہ پر مدینہ کے مسلمان تاجر اور مجاہد اپنا تجارتی سامان (البضائع و النفقات) بدر کے مقامی بازار کے لیے ساتھ لے گئے تھے جو اسی زمانے میں ذی قعدہ کے پہلے آٹھ دنوں (ہفتہ میں) لگتا تھا۔ پندرہ سو مسلمانوں نے وہاں آٹھ دنوں تک قیام کیا تھا

اور نفع کمایا تھا چنانچہ حضرت عثمان بن عفان اموئیؓ کے بارے میں صراحت ملتی ہے کہ انھوں نے ایک دینار کے عوض ایک دینار یعنی صد فیصد نفع حاصل کیا تھا۔[61] اسی زمانے میں انمار و ثعلبہ کے علاقے میں لگنے والے بازارِ نجد میں مسلمانوں نے تجارت کی تھی۔[62] غزوہ ذات الرقاع کے دوران حضرت جابر بن عبداللہ نے کسی اور سے نہیں خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اونٹ کا سودا چالیس درہم یا ایک اوقیہ چاندی پر کیا تھا۔[63] حضرت ابوسعید خدری نے غزوہ مریسیع میں جو باندی پائی تھی وہ بازار میں بیچ دی تھی۔[64] غزوہ خیبر کے دوران مسلمان تاجروں نے یہودیوں کے ساتھ تجارتی لین دین بڑے پیمانے پر کیا تھا اس کے علاوہ مسلمانوں نے آپس میں بھی کافی خرید و فروخت کی تھی۔[65] اس سے قبل حدیبیہ کے سفر کے دوران بعض مسلمانوں نے بنو نہد کے تاجروں سے لین دین کیا تھا۔[66] اسی طرح عمرۃ القضیہ کی مہم کے دوران خرید و فروخت کی شہادت ملتی ہے۔[67] غزوہ حنین کے بعد حضرت ابو قتادہ انصاری نے غزوہ میں حاصل ہونے والے سلب کو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی کے ہاتھ سات اوقیہ چاندی (= بیاسی درہم) میں بیچ دیا تھا اور پھر مدینہ آکر اس قیمت سے ایک کھجور کا باغ (مخرف) خرید لیا تھا۔[68] بعض مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد مہموں کے دوران خریداری کے سودے کئے تھے کسی میں اونٹ خریدا تھا تو کسی میں گھوڑا یا دوسرا اسباب۔ بدوی تاجر اپنا سامان فروخت کرنے کے لئے ایسے مواقع کی تاک میں رہا کرتے تھے۔[69] حضرت زید بن ثابت کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے غزوہ تبوک کے دوران بھی تجارتی کاروبار کیا تھا۔[70] ان متعدد مثالوں سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان تاجر فوجی مہموں کے دوران بھی برابر تجارتی کاروبار کیا کرتے تھے۔ ایک طرح سے یہ مسلم تجارتی قافلے بھی تھے جو مختلف علاقوں اور بازاروں میں اپنے سامانِ تجارت کے ساتھ جایا کرتے تھے اور بہت اچھا نفع کمایا کرتے تھے ان کثیر تاریخی شواہد سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم مہمیں جن کو غزوات وسرایا اصطلاحاً کہا جاتا ہے دراصل کثیر المقاصد مہمیں ہوتی تھیں۔ اکثر و بیشتر یہ مہمیں فوجی نوعیت کی نہیں تھیں لیکن اگر وہ فوجی اور عسکری تھیں بھی تو ان کے سیاسی مضمرات کے علاوہ مذہبی اور اقتصادی مضمرات و نتائج بھی تھے۔ قرون وسطیٰ کی فوجی مہموں کی ایک امتیازی خصوصیت تقریباً ہر ملک میں یہ تھی کہ تاجر اپنا

مال لے کران کے ساتھ سفر کرتے تھے یا ان کی منازل پران سے جا ملتے تھے اور بلا کسی روک ٹوک کے فریقین سے لین دین کرتے تھے۔[41] ان کے مال کو دونوں کا تحفظ حاصل ہوتا تھا۔ عہد نبوی کے تاجران عرب ان سے ایک قدم اور بڑھ گئے تھے کہ وہ خود ہی مجاہد بھی تھے اور خود ہی تاجر۔

جس طرح یہودی سرمایہ دارانہ معیشت میں سودی کاروبار نے تجارت کی ایک شاخ کے بطور جگہ بنالی تھی اسی طرح ربا کے حرام ہونے سے قبل مسلم معیشت میں بھی اس کی اپنی مستقل جگہ بن گئی تھی۔ عام طور سے سودی لین دین کے بارے میں تاثریہ ہے کہ یہود مدینہ کے علاوہ مکہ کے قریشی تاجر اور طائف کے دولتمند لوگ اس میں مشغول تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ سودی کاروبار سرمایہ دارانہ معیشت کا ایک لازمی تمہ ہے۔ اس میں جزیرہ نمائے عرب کے تمام دولتمند تاجر اور مہاجن شریک تھے۔ چنانچہ مکہ اور طائف کے علاوہ نجران، خیبر، بحرین، سلیم کے علاقے اور دوسری شمالی آبادیوں کے بارے میں آخذ سودی کاروبار کے رواج عام کا ذکر کرتے ہیں۔[42] البتہ مدینہ منورہ کے مسلمان خاص کر انصار کے بارے میں سودی لین دین کا ذکر صریح نہیں ملتا ہے۔ مگر بعض داخلی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ کے نومسلم یہودی افراد اور قریشی مہاجرین نے اس منافع بخش کاروبار کو اس کے حرام ہونے تک جاری رکھا تھا۔ بیہقی وغیرہ کی روایت ہے کہ حضرت زید بن سعنہ جو یہودی نومسلم تھے سودی کاروبار کرتے تھے اور ایک بار انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سود پر ادھار دیا تھا۔[43] مکہ کے قریشی مہاجرین مدینہ میں حضرت خالد بن ولید مخزومی کے بارے میں واضح طور سے ذکر آتا ہے کہ انھوں نے اپنے بھائیوں سمیت اپنے والد ولید بن مغیرہ مخزومی کا سودی کاروبار ترکہ میں پایا تھا اور حرمت ربا کے بعد ہی اس سے دستبردار ہوئے تھے۔[44] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی بہت بڑے سودی کاروبار کے مالک تھے اور انھوں نے یہ کاروبار اپنی مہاجرت مدینہ کے بعد بھی جاری رکھا تھا۔[45] حضرت عباس ہاشمی اور حضرت عثمان بن عفان اموی کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے کھجوروں کے باغات کی پیداوار نصف کی شرح سے (یعنی پچاس فیصد سالانہ سود پر) قرض خواہ کو دے دیتے تھے اور دوسرے برس اس کا دوگنا وصول کر لیتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان نقد رقوم بھی سود پر ادھار دیا کرتے تھے۔[46] بنو سلیم کے ایک مہاجر و مقیم مدینہ صحابی حضرت

حجاج بن علاط بھی سودی کاروبار کرتے تھے اور انھوں نے کافی بڑی رقوم سود پر مکہ کے متعدد لوگوں کو دے رکھی تھیں جنھیں فتح خیبر کے معاً بعد انھوں نے بڑی ہوشیاری سے وصول کر لیا تھا۔[۳۴] غزوہ خیبر کے دوران جب مسلمانوں نے کافی مدت تک خیبر میں قیام کیا تھا مسلم سپاہ نے یہودی سوداگروں سے لین دین کیا تھا اور غالباً سونے چاندی کے تبادلے میں سودی طریقے جاری رکھے تھے جن کی آپ نے ممانعت فرمائی تھی۔ شبلی نعمانی اور سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ سودی لین دین کی حرمت رفتہ رفتہ ہوئی تھی اور بالآخر حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قطعی حرام قرار دیا تھا اور حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمی کے تمام سودی کاروبار کو باطل قرار دیا تھا اور ان کے قرضداروں کو صرف اصل مال واپس کرنے کی تاکید اور سود کے خاتمے کا اعلان کیا تھا۔[۳۵] بعض تاریخی بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ سودی کاروبار عرب کی سرمایہ دارانہ معیشت کا لازمی جزو بن گیا تھا مگر اخلاقی اعتبار سے اسکو خود "سودخواران عرب" بھی برا سمجھتے تھے اور نیک کاموں میں سودی رقم کو لگانے سے پرہیز کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ سودی کاروبار میں قرضدار کا استحصال اور اس کی مجبوری سے ناجائز یا غلط فائدہ اٹھانے کا عنصر موجود رہتا ہے اور شاید یہی سبب "سود" کو سماجی برائی سمجھے جانے کا تھا۔[۳۶] مگر مونٹگمری واٹ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں ذاتی ضروریات کے لئے سود لینے دینے اور پیداواری مقاصد جیسے تجارت و زراعت وغیرہ کے لئے سودی کاروبار میں تفریق روا رکھی تھی اور اول الذکر کو حرام اور موخر الذکر کو جائز قرار دیا تھا۔[۳۷] مستشرق موصوف کا یہ خیال تاریخی واقعہ سے زیادہ ان کی اس خواہش باطل کا زائیدہ ہے کہ سود کو حرام نہ ہونا چاہئے۔

سرمایہ کاری کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ سرمایہ میں اضافہ کے نوع بنوع طریقے اور راستے اختیار کرتی ہے۔ نہ صرف سرمایہ کاری تجارت کا رخ کرتی ہے اور تاجرانہ سرمایہ داری زرعی جائداد بناتی ہے۔ خواہ کوئی معیشت ہو سرمایہ آتے ہی اراضی پر مشتمل جائدادیں بنانے کا رجحان انسان میں فطری طور سے پایا جاتا ہے۔ یہ جائدادیں مشمول بہ اراضی پیداواری / بارآور بھی ہو سکتی ہیں اور غیر بارآور بھی۔ پہلی قسم میں باغات، کھیت، چراگاہیں کارخانے، دکانیں اور کنویں وغیرہ آتے ہیں اور دوسری قسم میں مکانات، حویلیاں اور اسباب راحت و تعیش وغیرہ۔ عہد نبوی کی مدنی مسلم معیشت میں بھی یہی صورت حال

جاری تھی جو دراصل جاہلی عرب کی معیشت کی وراثت تھی۔ متعدد مثالیں اس امر کی ملتی ہیں کہ مکہ کے قریشی تاجروں نے بڑے بڑے مکانات اور دکانیں اور بازار اپنے شہر میں بنا لئے تھے جب کہ زرعی جائدادیں قریبی زرخیز شہر طائف اور اس کے نواح میں کھڑی کرلی تھیں۔ حضرات ابوسفیان بن حرب اموی، عثمان بن عفان اموی، خالد، سعید، عمرو، ابان اور عبداللہ فرزندان سعید بن عاص اموی، خالد بن ولید مخزومی اور ان کے برادران گرامی عمرو بن عاص سہمی اور ان کے دوسرے برادران عزیز، عباس بن عبدالمطلب ہاشمی اور اخلاف عتبہ بن ربیعہ اموی اور شیبہ بن ربیعہ اموی کے علاوہ بعض خواتین جیسے ام المومنین حضرت ام سلمہ کے باغات اور زرعی جائدادیں طائف اور اس نواح میں تھیں اور ان سے ان کو سالانہ یا ہر فصل پر خاصی آمدنی ہوتی تھی۔[81] کچھ مکیوں نے نخلہ کے علاقے میں جائدادیں زرعی / غیر زرعی بنائی تھیں۔ ان مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کے تمام سرآوردہ تاجروں نے اپنے تشکیل سرمایہ (Capital formation) کے لئے جائدادیں مختلف جگہوں پر کھڑی کی تھیں۔ ان میں سے کچھ جائدادیں مسلمانوں کو وراثت میں ملی تھیں اور کچھ انھوں نے اپنے دست و بازو کے زور پر بنائی تھیں۔ مدینہ کے متمول انصار کی تو زرعی جائدادیں تھیں ہی، ان کے نودولتمندوں نے بھی سرمایہ کاری کے اس وسیلہ کو اپنا لیا تھا۔ چنانچہ غزوہ مریسیع میں حضرت ثابت بن قیس خزرجی کے ایک عم زاد نے ان سے ایک مشترکہ باندی میں اپنا حصہ ایک باغ کے بدلے بیچ دیا تھا۔[82] غزوہ حنین کے مال غنیمت میں حضرت ابوقتادہ انصاری کو جو حصہ ملا تھا اس سے انھوں نے بنوسلمہ کے علاقے میں "الرّدینی" نامی ایک کھجور کا باغ (مخرف) خرید لیا تھا۔[83] حضرت عزیہ نے اگرچہ کچھ سال بعد جائداد خریدی تھی تاہم ان کی سرمایہ کاری کا بھی یہی انداز تھا۔[84]

مہاجرین میں حضرت سعد بن ابی وقاص کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے غزوہ بدر سے کچھ قبل یہودیوں کے علاقے میں حسیکۃ الذباب' نامی جائداد خرید لی تھی جس کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے السقیا رکھا تھا۔ اور حضرت سعد کی خرید کی تحسین بھی فرمائی تھی۔[85] ان کے بھائی حضرت عتبہ بن ابی وقاص نے ہجرت سے قبل جائداد اور مکانات مدینہ میں بنا رکھے تھے۔ بعد ہجرت حضرت ابوبکر صدیق کے مقام سنح میں کارخانہ لگانے کا ذکر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے مدینہ کے اطراف میں ایک باغ (بستان) لگا لیا تھا جس کی سینچائی ایک نوبی غلام کیا کرتا تھا۔[86] حضرت عمر بن خطا

نے بھی اپنے دینی بھائی حضرت عتبان بن مالک انصاری کے باغ کے قریب میں کچھ زرعی جائداد بنالی تھی۔ اس کے علاوہ انھوں نے خیبر میں کچھ زمین خریدلی تھی جسے بعد میں انھوں نے حکم نبوی پر وقف (صدقہ) کردیا تھا۔ اس کا نام "ثمغ" تھا۔[۸۶] یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش کے ایک فرزند کے لئے ان کی میراث سے ایک زرعی جائداد خیبر میں خرید دی تھی۔ حضرت عثمان بن عفان اموی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف زہری کے بارے میں بھی ذکر آچکا ہے کہ وہ مکی اور مدنی دونوں زمانوں میں اپنے باغات کی فصلیں مضاربت کی بنیاد پر بیچ دیا کرتے تھے۔ حضرت زبیر بن عوام کے مدینہ میں متعدد کھیت تھے جن سے غلہ آتا تھا اور وہ سب ان کو اقطاع میں نہیں ملے تھے۔ فتح خیبر کے بعد متعدد مسلمانوں نے عہد نبوی ہی میں بہت سے مجاہدین کے حصے خرید لئے تھے اور یہ خرید گویا حقوق ملکیت کی خرید تھی۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی نے بھی متعدد آراضی پر مشتمل جائدادیں خریدی تھیں۔ ان کے علاوہ مہاجرین میں خاص کر کنوؤں کے خریدنے کا رجحان عام تھا چونکہ پانی عرب میں سب سے قیمتی شے تھی اور وہ ہر شخص کو بہ آسانی دستیاب نہیں ہوتا تھا اس لئے عام طور پر ان جائدادوں کو "وقف عام" کردیا جاتا تھا تاکہ ہر کوئی ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ حضرت عثمان بن عفان اموی نے چار ہزار دینار میں بئر رومہ جس کا پانی سب سے زیادہ شیریں تھا خرید کر وقف کردیا تھا اور اس پر رسی اور ڈول وغیرہ پانی پینے والوں کے لئے لٹکا دیا تھا حالانکہ اس سے پہلے ایک مزنی صحابی اس کا پانی قیمت سے بیچا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی نے بئر ہم نامی کنواں خرید کر صدقہ کردیا تھا۔[۸۷] بعض اور کنوؤں کے خرید کر وقف کئے جانے کا ذکر مآخذ میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض کنویں اور چشمے وغیرہ صحابہ کرام نے اپنے کھیتوں اور باغوں کو سینچنے کے لئے کھدوائے تھے یا خریدے تھے بہرحال سرمایہ کاری کا ایک اہم طریقہ آراضی پر مشتمل جائدادوں کی خرید اور ان کی ملکیت تھی۔

جائدادوں کے علاوہ سرمایہ کاری کا ایک اور پیداواری طریقہ گلہ بانی تھی۔ اونٹ، بھیڑ، بکری، گائے، بیل اور گھوڑے وغیرہ غذا، سواری، تجارت، زراعت اور مذہبی اور فوجی مقاصد کے لئے پالے جاتے تھے۔ مدنی عہد کے مختلف زمانوں میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کافی مویشی تھے جو مختلف چراگاہوں میں چرتے تھے۔ ان میں سے پندرہ بیس عمدہ قسم کی اونٹنیاں غابہ اور بغاد

میں بعض جن کا دودھ روزانہ دوہ کراز واج مطہرات اور عیال نبوی کے لئے لایا جاتا تھا۔ یہ دودھاری جانور کچھ تو مال غنیمت میں ہاتھ لگے تھے کچھ کو حضرت محمد بن مسلمہ نجد سے خرید کر لائے تھے اور کچھ تحفے اور ہدیہ میں دئے گئے تھے۔[۸۹] غابہ اور بعض دوسری چراگاہوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، محمد بن مسلمہ، سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ، سعد بن ابی وقاص وغیرہ متعدد صحابہ کے مویشی دودھاری اور غیر دودھاری تھے جن کی دیکھ بھال ان کے غلام یا اجیر کرتے تھے۔ ریاستی مویشیوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری حکومتی افسروں کے ذمہ تھی۔[۹۰] حضرت ابوبکر کے پاس بھی ایک گلہ (قطعہ غنم) مکہ میں بھی تھا اور مدینہ میں بھی رکھ میں ان کی چرائی وغیرہ کی ذمہ داری ان کے مولی حضرت عامر بن فہیرہ اور ان کے فرزند عبداللہ بن ابی بکر پر تھی کبھی وہ خود دیکھ بھال کرتے تھے اور کبھی ان کا چرواہا (راعی)۔[۹۱] حضرت قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی نے ذات السلاسل کی مہم کے دوران مسلم فوج کے لئے پانچ اونٹ بعض جہنی تاجروں سے خریدے تھے۔ اس کے علاوہ اس عظیم خانوادہ خزرج نے متعدد مہموں کے دوران اور مدینہ میں قیام کے زمانے میں بھی مسلمانوں اور اپنے محبوب رسول کی ضیافت کے لئے مسلسل جانور قربان کئے تھے۔[۹۲] متعدد صحابہ کرام مثلاً حضرات مقداد بن عمرو، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ کے بارے میں ذکر آتا ہے کہ انھوں نے انھیں مقاصد کے لئے اونٹ اور گھوڑے خریدے تھے۔ غزوہ تبوک میں مسلم فوج میں بیس ہزار اونٹ اور دس ہزار گھوڑے تھے اور ان کی غالب اکثریت کو مسلمانوں نے اپنی گرہ سے خریدا تھا۔ اسی طرح حج اور عمرہ میں قربانی کی غرض سے مسلمانان مدینہ کے جانور (ہدی) خریدنے کا ذکر مآخذ میں مختلف زمانوں میں ملتا ہے۔[۹۳] ان میں سے فوجی اور مذہبی مقاصد، سواری، قربانی اور غذا کے لئے جو مویشی خریدے جاتے تھے وہ تشکیل سرمایہ کی غیر پیداواری شکل تھی اور دودھ کی فراہمی، تجارت اور زراعت کے لئے مویشیوں کی خرید و فروخت یا حصول مسلم معیشت میں ترقی کا ایک بہت اہم ذریعہ تھا کیونکہ یہ تشکیل سرمایہ کی پیداواری صورت تھی۔

تجارت، زراعت اور ان کے متعلقہ پیشوں سے سرمایہ کاری کے طریقوں کے علاوہ صنعت و حرفت و دستکاری اور مزدوری مسلم معیشت کے دو اہم پہلو یا شعبے تھے۔ صحابہ کرام میں مہاجرین میں اور انصار میں بہت سے لوگ دستکار تھے اور وہ صرف معمولی قسم کے دستکار نہیں تھے

جو محض روزی روٹی کمانے بھر کے ہوتے بلکہ انھوں نے اسی ہنر و حرفت کے سبب کثیر مال یا دولت اکٹھا کرلی تھی۔ مکی عہد کے دو دستکار حضرت صہیب بن سنان نمری قاسطی اور حضرت خباب بن ارت تمیمی تھے۔ اول الذکر ماہر دستکار تھے اور مختلف فنون جیسے نجاری، خراطی وغیرہ پر دسترس رکھتے تھے جب کہ موخر الذکر نے لوہاری (قین) کے فن میں کمال کے ذریعہ "مال" اکٹھا کیا تھا۔ اگرچہ حضرت صہیب نے وہ مال بوقت ہجرت قریش کے حوالے کردیا تھا مگر مدینہ پہونچ کر اپنی دستکاری کے ذریعہ خاصی دولت جمع کرلی تھی۔ حضرت خباب بن ارت نے تو اپنے ہنر کے ذریعہ مدینہ میں مکان بنالیا تھا۔[94] حضرت سعد بن ابی وقاص ماہر تاجر ہونے کے علاوہ تیر گر بھی تھے۔ حضرت عثمان بن طلحہ عبدری خیاط تھے۔ حضرت مرزوق ایک ماہر صیقل گر تھے اور انھوں نے ایک بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ذوالفقار کو صیقل بھی کیا تھا۔[95] حضرت ازرق حارث بن کلدہ ثقفی کے رومی غلام تھے اور حدادی (لوہاری) کا کام کرتے تھے۔[96] فتح طائف کے بعد مدینہ آ بسے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد دوسرے ثقفی غلاموں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرلی تھی اور ان میں سے سب کے سب یا تو کاریگر تھے یا اجرتیہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت زاہر دھات کے کاریگر تھے اور مدینہ کے بازاروں میں اپنی چھوٹی موٹی مصنوعات لاکر بیچا کرتے تھے۔[97] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام حضرت ابورافع بڑھئی کا کام جانتے تھے۔[98] مدینہ منورہ میں حدادین، خراطین (خراد کا کام کرنے والوں) کا پورا بازار تھا۔[99] حضرت سلمان فارسی اجیر ہونے کے علاوہ آزاد ہونے کے بعد خوص (کھجور کے پتوں کی چیزیں بنانے) کا کام کیا کرتے تھے۔[100] حضرت ابوطیبہ انصاری حجام (فصد لگانے والے) تھے۔[101] حضرت ابوسیف جو فرزند رسول کریم حضرت ابراہیم کی انا کے شوہر تھے ایک انصاری لوہار تھے اور ان کے گھر میں دن بھر دھواں بھرا رہتا تھا۔[102] حضرت ابوعبیدہ بن جراح فہری اور حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری گورکن تھے۔[103] عہد نبوی میں متعدد حلاقین (حجاموں) کا ذکر بھی ملتا ہے۔[104] کھالوں کو سکھانے اور کمانے کا فن بھی عام تھا کہ وہ تجارتی شے تھی۔ ان کے علاوہ شراب سازی، ہتھیار سازی، پارچہ بافی، کاغذ سازی اور اور اسی قبیل کی متعدد دوسری حرفتوں کا ذکر ملتا ہے اور متعدد جلیل القدر صحابہ کرام ان دستکاریوں کے ذریعہ ہی اپنی روزی کمانے اور مسلم معیشت کو ترقی دیتے تھے۔ اگرچہ یہ صنعت و حرفت برآمدی

مقاصد کی تکمیل نہیں کرسکتی تھی تاہم وہ مقامی ضروریات کے لئے خاصی بڑی حد تک کافی تھی۔

جہاں تک محنت مزدوری کرنے والے طبقہ (اجیر) کا تعلق تھا تو ان میں سے ہر قسم کے مزدور تھے۔ گھریلو ملازمین میں غلاموں اور باندیوں کے علاوہ آزاد لوگ بھی تھے۔ حضرت ابوہریرہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت بنت غزوان کے اجیر رہے تھے۔ اوران کی کھانے کپڑے پر چاکری کرتے تھے۔[۱۰۴] متعدد خبر رسانوں اور رہبروں کا ذکر ملتا ہے جو اجرت پر یہ کام انجام دیا کرتے تھے۔[۱۰۵] بعض لوگ اپنے جانوروں کو کرایہ پر دیتے تھے۔[۱۰۶] سامان اور اشیاء ضرورت پہونچانے والے نجارے بھی اجرت پر کام کرتے تھے۔[۱۰۷] حضرت جہجاہ بن سعید غفاری حضرت عمر بن خطاب کے غزوہ مریسیع میں اجیر تھے۔ حضرت موصوف نے اپنے گھوڑے کی دیکھ بھال کے لئے ایک سائیس اجرت پر رکھا تھا۔[۱۰۸] غزوہ تبوک کے دوران حضرت یعلی بن منبہ اور عبید بن یاسر نے بھی اجیر رکھے تھے۔[۱۰۹] یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ تجارت اور زراعت میں بہت سے اجیروں کی ضرورت پڑتی تھی اور ایسے زرعی اور تجارتی مزدور عہد نبوی میں بھی تھے۔ ان میں سے بہت سے غلام بھی تھے لیکن کافی آزاد اجیر بھی تھے۔[۱۱۰] ایک انصاری کے ایک اجیر کا ذکر غزوہ سویق کے ضمن میں آتا ہے جس کو ابوسفیان بن حرب نے قتل کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ تعمیراتی کاموں کے مزدور دکاریگر دونوں پائے جاتے تھے۔ گلہ بانی کے لئے چرواہوں کی موجودگی ناگزیر تھی اوران میں سے متعدد کا ذکر ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔[۱۱۱] عرب میں اجرت پر دودھ پلائی اور انار رکھنے کا رواج تھا اور متمول لوگ اپنے بچوں کی پرورش و پرداخت ان سے کراتے تھے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر پلنے کا واقعہ مشہور ہے۔ آپ نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم کے لئے جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے انا حضرت ام بردہ کو رکھا تھا اور معاوضہ میں ان کو ایک کھجور کا باغ عطا فرمایا تھا۔[۱۱۲] مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر قسم کے مزدور تھے جو اپنے ماتھے کے پسینے کی کمائی سے اپنی روزی کماتے تھے۔

مدینہ منورہ کی مسلم معیشت میں دو اور ذرائع آمدنی یعنی اموال غنیمت اور صدقات نے بھی اپنا اپنا حصہ وکردار ادا کیا تھا۔ اول الذکر کے بارے میں کہیں اور بحث کی جا چکی ہے کہ ایک موٹے سے اندازے کے مطابق دہ سالہ مدنی زمانے میں اس سے حاصل ہونے والی کل آمدنی

تقریباً باسٹھ ملین درہم تھی مگر عساکر اور مہموں پر ہونے والے مصارف کو منہا کرنے کے بعد اس سے حاصل شدہ منفعت تقریباً صفر رہ جاتی ہے یا زیادہ سے زیادہ کل معیشت کا صرف ایک فیصد تناسب رہ جاتا ہے[112] جہاں تک صدقات سے حاصل ہونے والی دولت کا تعلق ہے تو اس پر مفصل بحث وقت طلب ہے، یہاں مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا صرف ایک حصہ ہی مدینہ والوں کے حصے میں آتا تھا اور باقی حصے دوسرے علاقوں کے مسلمانوں پر یا علاقائی ولایات کے باشندوں پر خرچ ہو جاتے تھے۔ بہر حال بعض صدقات کی رقوم کا ذکر ملتا ہے اور ان کا مدنی معیشت کے بعض دوسرے ذرائع سے حاصل شدہ رقوم سے موازنہ کرنے پر بڑے دلچسپ حقائق سامنے آتے ہیں۔ مملکت بحرین سے ایک سال کل مالیہ ستر یا اسی ہزار درہم ملا تھا۔ تقریباً اتنا ہی مالیہ عمان سے اور نجران سے بھی حاصل ہوا تھا[113] گویا کہ ان تین ولایات سے آنے والی کل رقم دو ڈھائی لاکھ درہم تھی۔ یہ کتنی حیرت انگیز اور دلچسپ حقیقت ہے کہ تقریباً اتنی ہی مجموعی رقم مسلمانوں نے اپنے عطیات کے ذریعہ غزوۂ تبوک کے نادار و بے آسرا مجاہدین کے لئے جمع کی تھی اور ایک فرد واحد یعنی حضرت عثمان غنی کا عطیہ تو ایک پوری مملکت کے سالانہ مالیہ کے برابر تھا۔[114] ظاہر ہے کہ یہ حضرت عثمان غنی کی کل دولت نہیں تھی بلکہ اس کا صرف ایک حصہ تھا۔ عہد نبوی میں مدینہ منورہ کی مسلم معیشت کی جو تصویر ان حقائق کی روشنی میں ابھرتی ہے اس میں سب سے زیادہ جس عنصر نے حصہ لیا تھا وہ تجارت اور زراعت کے پیشے تھے۔ پھر کچھ حصہ ان کے بعد دستکاری اور مزدوری کا تھا۔ اموال غنیمت کا حصہ اگر ایک فیصد تھا تو صدقات کا اس سے بھی کم کیونکہ ان کی آمدنی کافی محدود اور عہد نبوی کے آخری دو تین برسوں میں ہوئی تھی۔ مجموعی طور سے مدنی معیشت اپنے مہاجر اور انصاری باشندوں کی محنت و مشقت کے طفیل استحکام کی طرف روز بروز بڑھ رہی تھی۔

تعلیقات و حواشی

۱؎ سمہودی، وفاء الوفاء، قاہرہ طبع، غیر مورخہ، ص ۱۱۹۲ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، آکسفورڈ ۱۹۵۶ء
ص ۱۹۲ ۲؎ مسلم نظریہ کے لئے ملاحظہ ہو شبلی نعمانی سیرت النبی، اول طبع اعظم گڑھ ۱۹۲۶ء ص ۱۰۹ ۳؎
مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۵-۱۹۲ ۔ ۴؎ ابن اسحاق ص ۲۶۲-۲۶۱؛ واقدی، کتاب المغازی، آکسفورڈ ۱۹۶۶ء
بلاذری، انساب الاشراف، مرتبہ محمد حمید اللہ، قاہرہ ۱۹۵۹ء، اول ص ۳۰۹ ۵؎ مذکورہ بالا، ص ۳۰۹ ۶؎ مذکورہ
بالا ۷؎ انساب الاشراف، اول ص ۲۹۶ ۸؎ ابن اسحاق، ص ۳۷-۳۴۸؛ واقدی، ص ۲۰؛ بلاذری
فتوح البلدان، قاہرہ ۱۹۳۲ء ص ۳۶-۳۱ ۹؎ واقدی، ص ۵۰ اور ص ۵۱ وغیرہ؛ فتوح البلدان، ص ۳۴
۱۰؎ حوالہ جات سابقہ ۱۱؎ حوالہ جات سابقہ ۱۲؎ واقدی ص ۱۷۹ نیز مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲۰۹
۱۳؎ واقدی، ص ۳۷۴؛ ص ۶۲۴؛ نیز ملاحظہ ہو ص ۸۹-۱۸۸ کعب بن اشرف یہودی کے سودی کاروبار کے لئے جامع
ترمذی، کتاب البیوع ۱۴؎ واقدی، ص ۳۷۴ ۱۵؎ واقدی ص ۱۴-۱۰ نیز بخاری، باب الرطب والتمر
۱۶؎ واقدی ص ۶۲۴ نیز دارقطنی بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم ص ۳۰ ۱۷؎ بحوالہ شبلی نعمانی دوم ص ۳۰
۱۸؎ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء، چہارم ص ۳۳۰ ۔ یہ تاثر حضرت ابوہریرہ دوسی
کی روایت کی بنا پر پیدا ہوا کہ مہاجرین بازاروں کے کاروبار میں اور انصار کھیتوں میں مشغول رہا کرتے تھے۔ نیز انساب
الاشراف، اول، ص ۳۱۲ ۔ ۱۹؎ مثلاً حضرت ابوشعیب ایک انصاری تھے۔ ان کا غلام بازار میں گوشت کی دوکان
رکھتا تھا۔“ بخاری بحوالہ شبلی نعمانی، دوم ص ۲۹۶ ۲۰؎ واقدی، ص ۲۰۷، ص ۱۰-۱۴؛ انساب الاشراف اول
ص ۳۱۱ نیز بخاری، باب کلام الرب مع اہل الجنۃ ۲۱؎ واقدی، ص ۲۰۷ ۲۲؎ واقدی ص ۵۰۴ ۲۳؎ واقدی
ص ۵۱ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، ص ۳۶-۳۵ نیز انساب الاشراف، اول ص ۳۴۴ وغیرہ ۲۴؎ واقدی ص ۵۷
انساب الاشراف، اول ص ۳۲۶ ۲۵؎ انساب الاشراف، اول ص ۳۲۱ ۲۶؎ واقدی، ص ۲۰۷ وغیرہ؛
انساب الاشراف، اول ص ۹-۵۱۸؛ فتوح البلدان ص ۳۱ ۲۷؎ فتوح البلدان، ص ۳۱ ۲۸؎ واقدی،
ص ۲۰۷، ص ۳۷۲، ص ۴۳۸، ص ۵۴۴، ص ۶۶۷؛ ابن سعد، سوم ص ۶۱۵ ۲۹؎ واقدی، ص ۲۰۲ وغیرہ۔
۳۰؎ ابن سعد، سوم، ص ۱۲۶ نیز ملاحظہ ہو واقدی ص ۳۱، ۳۴۹ ۳۱؎ ابن اسحاق، ص ۲۲۸؛ شبلی نعمانی
دوم ص ۲۵۹ ۳۲؎ واقدی ص ۵۰۵، ص ۱۰۳۷ ۳۳؎ ان صحابہ کرام کے احوال کے لئے ملاحظہ ہو واقدی ص ۲۰۷
ص ۲-۲۰۱، ص ۵۰۵، ص ۲-۵۲۱، ص ۶۵۸، ص ۹-۹۰۸، ص ۹۹۲، ص ۲۸-۱۰۲۸، ص ۱۰۵۵ وغیرہ؛ ابن سعد
سوم اور چہارم تراجم صحابہ مذکورہ بالا نیز اسد الغابہ، تہران طبع، تراجم صحابہ۔ انساب الاشراف اول ص ۲۳
وغیرہ

۳۴؎ انساب الاشراف، اول ص۵۲۵-۸ ۳۵؎ ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون، تحقیقات اسلامی، علی گڑھ جلد ۱، شمارہ ۲ ۳۶؎ ابن سعد، سوم، ص۱۸۶ ۳۷؎ ابن سعد، سوم ص۲۷۲-۲۷۷، نیز ابن اسحاق ص۲۱۶ ۳۸؎ ابن سعد، سوم، ص۶۰، ص۷۶-۷۷ ۳۹؎ ابن سعد، سوم ص۱۲۴-۱۲۶ - ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون مذکورہ بالا۔ نیز اسد الغابہ، سوم ص۲۱۶ ؛ بخاری، کتاب البیوع ۔ ۴۰؎ ابن سعد، سوم، ص۱۷۳، ص۲۱۵-۲۲۰ ؛ انساب الاشراف، اول ص۲۷۰ ۴۱؎ مضمون مذکورہ بالا نیز ابن سعد، سوم، ص۱۰۷-۱۰۸ ۴۲؎ ابن سعد، سوم ص۱۱۴-۱۱۵ ابن قتیبہ دینوری، کتاب المعارف، قاہرہ ۱۹۶۰ء، ص۳۱۸ ۴۳؎ ابن سعد، سوم ص۱۴۵-۱۴۹؛ واقدی ص۱۱۱۵ ۴۴؎ ابن سعد، سوم ص۱۳۹ ان کا مکان بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں تھا اور انھیں کے باغات کے قریب ان کا باغ تھا۔ ۴۵؎ ابن سعد، سوم ص۱۶۳ - بدر میں ان کے پاس حربی گھوڑا تھا جو بجائے خود تمول کی نشانی تھی۔

۴۶؎ ابن سعد، سوم ص۱۰۹ ۴۷؎ ابن سعد، سوم، ص۱۵۹ وغیرہ ۴۸؎ ابن سعد، سوم، ص۶۱۳ ۴۹؎ ابن سعد، چہارم، تراجم مذکورہ بالا۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، قاہرہ ۱۳۵۹ھ، دوم ص۲۲۳؛ ابن اسحاق ص۱۸۷ ۵۰؎ ازرقی، کتاب اخبار مکہ، مرتبہ دستنفلڈ، بیروت ۱۹۶۴ء، ص۷۰ نیز مارگولیتھ، محمد اینڈ دی رائز آف اسلام، لندن ۱۹۰۵ء ص۳۲، نیز واقدی، ص۸۳۸ ۵۱؎ واقدی، ص۷۰۲-۷۰۳؛ ابن سعد، چہارم ۲۷۷ نیز مارگولیتھ ص۱۴۳ ۵۲؎ اس بحث کے لئے ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، آکسفورڈ ۱۹۵۳ء، ص۲-۳ ۵۳؎ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص۲-۵ وغیرہ ۵۴؎ خاکسار کا مضمون تحقیقات اسلامی، علی گڑھ جلد ۳ شمارہ ۲ ۵۵؎ محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، حیدرآباد دکن ۱۹۶۴ء ص۲۶۳-۲۶۸؛ ازرقی، ص۱۲۱-۱۲۲؛ مسند احمد بن حنبل بحوالہ مارگولیتھ، ص۱۴۳، ص۶۸-۶۹ - ملاحظہ ہو واقدی، ص۳۱۲، ص۳۷۴، ص۱۰۵ ۵۶؎ واقدی، ص۲۰۳ وغیرہ نیز مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ ص۳۵ ۵۷؎ واقدی، ص۱۴، ۵۶ نیز مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ ص۱۴۴ ۵۸؎ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص۱۴۳ ۵۹؎ واقدی، ص۵۲۳ کے مطابق ایک کارواں جو شام گیا تھا اس کی قیادت حضرت سعد بن عبادہ نے کی تھی ۶۰؎ واقدی ص۱۰۲ ۶۱؎ واقدی ص۲۸۷-۲۸۸؛ انساب الاشراف، اول ص۳۶۰ ۶۲؎ واقدی، ص۲۸۱-۲۸۲ ۶۳؎ واقدی، ص۳۰۰ ۶۴؎ واقدی ص۱۳-۱۴ ۶۵؎ واقدی، ص۲۸۰-۲۸۲، نیز ص۴۶۹-۴۷۰ ۶۶؎ واقدی، ص۴۷۵ ۶۷؎ واقدی ص۴۳۷ ۶۸؎ واقدی، ص۹۰۸-۹۰۹ ۶۹؎ ابن سعد، چہارم، ص۳۸۸-۳۸۹؛ انساب الاشراف اول، ص۵۰۹ ۷۰؎ واقدی، ص۵۳۶-۵۳۷ ۷۱؎ واقدی، ص۷۰۳-۷۰۴؛ ابن سعد، چہارم ص۲۶۹ ۷۲؎ مونٹگمری واٹ محمد ایٹ مدینہ ص۲۹۶-۲۹۸، ص۳۵۹-۳۶۱ وغیرہ؛ ابو داؤد، سنن، باب اخذ الجزیۃ مسلم، باب بیع القلادہ، باب الصرف نیز شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم ص۱۴۷-۱۴۹

۷۳ شبلی نعمانی، دوم ص ۳۵۸ ۔ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۹۲۰ ان کے سودی کاروبار کے لیے حضرات حویصہ اور محیصہ کے ساتھ ۷۴ ابن ہشام، دوم ص ۲۳ ۷۵ ابن سعد، سوم، ص ۱۱۱؛ نیز مارگولیتھ ص ۹۶؛ بیہقی، السنن الکبریٰ، حیدرآباد دکن طبع، کتاب البیوع، باب الربوا ۷۶ ایضاً ۷۷ ابن سعد، چہارم، ص ۲۶۹ ۷۸ شبلی، مذکورہ بالا ۷۹ ابن اسحاق، ص ۸۴؛ مارگولیتھ، ص ۹۴ ۸۰ محمد اینڈ مدینہ، ص ۸-۲۹۶ ۸۱ واقدی، ص ۸۳۸، ص ۹۷۱ وغیرہ؛ انساب الاشراف، اول ص ۱۹ ص ۴۲۷؛ ازرقی، ص ۷۰؛ واقدی، ص ۸۳۸ وغیرہ نیز ابن اسحاق، ص ۱۹۳ ۸۲ واقدی ص ۱۰-۱۱ ۸۳ واقدی ص ۹-۹۰۸ ۸۴ واقدی ص ۷۷۹ ۸۵ واقدی ص ۲۲۳ ۸۶ ابن سعد سوم ص ۱۹۲ ۸۷ ایضاً ص ۲۷۷ اور ص ۳۵۸ ۸۸ واقدی ص ۴۷۵ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول ص ۸-۵۳۵ ۔ ۸۹ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ملاحظہ ہو انساب الاشراف اول ص ۱۳-۵۰۹ ۔ نیز واقدی، ص ۵۳۹ ۹۰ واقدی، ص ۶-۴۲۵، ص ۵۲۹ وغیرہ ۹۱ ابن سعد سوم ص ۷-۱۸۶ ۹۲ واقدی، ص ۵۲۴، ص ۵۰۰، ص ۵۲۷، ص ۶-۵۷۷ وغیرہ ۹۳ واقدی، ص ۷-۵۲۶ وغیرہ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵-۱۲ وغیرہ ۔ نیز ابن سعد، سوم، چہارم تراجم صحابہ مذکورہ بالا ۹۴ ابن سعد، سوم ص ۶-۱۶۴ ص ۲۲۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۸-۷۷ اور ص ۷-۱۷۶ ۹۵ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۱ ۹۶ واقدی ص ۸۹۸ ۹۷ شبلی نعمانی دوم ص ۳۹۸ ۹۸ ابن سعد، چہارم ص ۵-۷۳؛ انساب الاشراف، اول ص ۷۷۴ ۹۹ انساب الاشراف، اول ص ۲۹۰، ص ۳۱۳ وغیرہ ۱۰۰ ابن سعد، چہارم ص ۸۹ ۱۰۱ انساب الاشراف، اول ص ۵۰۶ ۱۰۲ شبلی نعمانی، دوم ص ۲۰۴ ۱۰۳ انساب الاشراف، اول ص ۵۷۳ ۱۰۴ ابن سعد، چہارم ص ۲۲۶ ۱۰۵ واقدی ص ۱۰۶، ص ۶۲۴، ص ۹۸۷، نیز ص ۶-۲۴۴ وغیرہ ۱۰۶ واقدی، ص ۸-۳۶۷ ۱۰۷ واقدی ص ۳۰۴ ۱۰۸ واقدی، ص ۱۵۴ اور ص ۱۸۴ ۱۰۹ واقدی ص ۱۰۱۲ اور ص ۱۰۲۲ ۱۱۰ واقدی ص ۳۲۳ وغیرہ؛ ابن سعد، سوم ص ۱۵۰ وغیرہ ۱۱۱ ایضاً ۔ ابن سعد، سوم ص ۱۷۳ وغیرہ ۱۱۲ انساب الاشراف، اول ص ۵۰۴ ۱۱۳ خاکسار کا مضمون تحقیقات اسلامی، جلد ۱، شمارہ ۲ ۱۱۴ فتوح البلدان ص ۷۷، ص ۹۲ وغیرہ ۱۱۵ انساب الاشراف، اول، ص ۳۶۸ نیز ابن اسحاق ص ۶۰۳؛ واقدی، ص ۱۹۹؛ طبری، سوم ص ۱۰۳